اسلام کا قانونِ قصاص

سید جلال الدین عمری

اسلام کے قانون قصاص پر اعتراضات نئے نہیں ہیں۔ ایک عرصۂ دراز سے یہ مختلف النوع اعتراضات کا ہدف بنا ہوا ہے۔ البتہ ان اعتراضات میں شدت اس وقت سے آگئی ہے جب سے کہ بعض ممالک نے اسے ریاست کے قانون کی حیثیت سے نافذ کر رکھا ہے اور بعض میں اس کے نفاذ کی کوشش ہو رہی ہے۔ حالانکہ اس قانون کا غیر جانب دارانہ اور سنجیدہ مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ ایک جامع اور مکمل قانون ہے اور انسانی جان کی صحیح قدر و قیمت متعین کرتا اور اس کی بہتر طریقہ سے حفاظت کرتا ہے۔ اس کی آج بھی اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ ضرورت ہے جتنی اس سے پہلے تھی۔ اس قانون پر ہونے والے اعتراضات کا جائزہ لینے سے پہلے یہاں کسی قدر اس کے تفصیلی مطالعہ کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ناحق قتل کی ممانعت

اسلام نے ہر انسان کی جان کو محترم قرار دیا ہے۔ جب تک حق و انصاف کا صریح تقاضا نہ ہو اس نے کسی بھی فرد کی جان لینے سے سختی سے منع کیا ہے۔ وہ اللہ کے نیک بندوں کی ایک خوبی یہ بیان کرتا ہے کہ

وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ (الفرقان: ۶۸)	وہ اس جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے قتل نہیں کرتے اِلّا یہ کہ حق کا تقاضا ہو۔

حدیث شریف میں قتل نفس کو گناہِ کبیرہ کہا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الکبائر الاشراك باللہ و عقوق الوالدين وقتل النفس[1]	بڑے گناہ ہیں اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور کسی انسان کو (ناحق) قتل کرنا۔

---

[1] بخاری و مسلم۔ اس موضوع پر مزید روایات کے لیے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الکبائر و علامات النفاق

قاتل سے بدلہ لینے میں مقتول کے اولیاء کی مدد ہو گی

اگر کوئی شخص ناحق کسی کا خون بہا لے تو اسلام مقتول کے اولیاء کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ انصاف کے مطابق اس سے بدلہ لیں اور ریاست اور سماج کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ مظلوم کی مدد کریں تاکہ انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا (بنی اسرائیل: ۳۳)

اس جان کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ جو شخص ظلم کے ساتھ قتل کیا جائے ہم نے اس کے ولی کو (قصاص کا) حق دیا ہے۔ وہ قتل کرنے میں حد سے نہ نکلے۔ بے شک اس کی مدد کی جائے گی۔

قانونِ قصاص

اسلام نے انسان کے جسم و جان کی حفاظت کے لیے قصاص اور دیت کا قانون رکھا ہے ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ (البقرہ: ۱۷۸)

اے ایمان والو تم پر مقتولین میں قصاص (برابری) فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلہ غلام اور عورت کے بدلہ عورت (قتل کی جائے گی) پھر جس شخص (قاتل) کو اپنے بھائی (مقتول کے ولی) کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو اسے معروف کی پابندی کرنی چاہیے اور بہتر طریقہ سے (دیت) ادا کرنی چاہئے۔ یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ اس کے بعد جو زیادتی کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس کے فوراً بعد قصاص کی حکمت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ

اے عقل مندو! تمہارے لئے قانونِ قصاص

يَٰٓأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ: ۱۷۹)
میں زندگی ہے تاکہ تم اپنی جان جانے کے ڈر سے دوسرے کے قتل سے بچے رہو۔

قصاص کا معنی و مفہوم

قصاص اسم ہے۔ اس کا مادہ 'قصص' ہے اس کے اندر قطع کرنے اور کاٹنے کا مفہوم ہے اس سے قصاص کے معنیٰ یہ لیے گئے ہیں کہ کسی نے کسی کو زخم پہنچایا ہے تو اسے بھی زخم پہنچایا جائے اور قتل کیا ہے تو اسے بھی قتل کیا جائے[1]

اس میں کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کا بھی مفہوم ہے۔ قرآن مجید میں ہے وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ (القصص: ۱۱) موسیٰؑ کی ماں نے اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ اسی سے قصّہ کا لفظ ہے اس کے معنیٰ داستانِ محض یا بے اصل حکایت کے نہیں ہیں بلکہ کسی واقعہ کو جوں کا توں بیان کرنے کا نام قصہ ہے' قاصؐ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو واقعہ کے بیان کرنے میں اس کے الفاظ و معانی کا پورا پورا تتبع کرے[2] اس لحاظ سے قصاص کا مطلب ہوگا کہ قاتل نے جس طرح جان لی ہے اسی طرح اس کی بھی جان لی جائے[3]

اس میں کسی کو مار کر موت کے قریب پہنچا دینے کا بھی مفہوم ہے[4] قصاص کے اندر یہ مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔

اس طرح قصاص کا تصور یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کے عوض قتل کردیا جائے اور جس نے کسی کے اعضاء و جوارح کو نقصان پہنچایا ہے اس سے ٹھیک اس کے مساوی بدلہ لیا جائے۔

دورِ جاہلیت میں قصاص پر عمل نہیں تھا

دورِ جاہلیت میں قصاص کا قانون نہیں تھا دو قبیلوں میں جنگ ہوتی تو جو قبیلہ طاقتور ہوتا وہ

---

[1] اصل القص القتل قال ابو منصور القصاص فی الجراح ماخوذ من ھذا اذا اقتص لہ منہ بجرحہ مثل جرحہ ایاہ او قتلہ بہ— ابن منظور۔ لسان العرب مادہ قصص

[2] قصصت الشئ اذا تتبعت اثرہ...... القاصُّ الذی یأتی بالقصۃ علی وجھھا کانہ یتبع معانیھا والفاظھا۔ ابن منظور: لسان العرب مادہ قصّ

[3] امام راغب فرماتے ہیں: القصاص تتبع الدّم بالقود۔ مفردات القرآن، مادہ قصص

[4] ابن منظور لسان العرب مادہ قصص

کمزور قبیلے سے زیادہ بدلہ لینا چاہتا۔ وہ اپنے غلام کے بدلے اس کے آزاد شخص سے اور عورت کے بدلے مرد سے قصاص لیتا۔ اسلام لانے کے بعد بھی بعض قبائل اپنے پرانے جھگڑے اسی اصول کے تحت طے کرنا چاہتے تھے، اسلام نے اس ناانصافی سے منع کیا اور اوپر کی آیت (البقرہ: ۱۷۸) میں یہ قانون بیان فرمایا کہ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت سے قصاص لیا جائے گا۔[۱]

بعض اوقات وہ بجائے قاتل کے اس کے قبیلہ کے کسی دوسرے فرد کو قتل کر دیتے تھے۔ کبھی وہ ایک شخص کا بدلہ پورے قبیلہ سے لینے لگتے۔ مہلہل نے اپنے بھائی کلیب کے انتقام میں بکر بن وائل کے پورے قبیلہ کو تقریباً ختم کر ڈالا۔[۲]

بنو اسرائیل اور حکم قصاص

یہود کو قصاص کا حکم تو دیا گیا تھا (المائدہ: ۴۵) لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان کے ہاں دیت کی اجازت نہیں تھی۔ اس امت پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے اس کے لیے قصاص کے ساتھ دیت کی بھی گنجائش رکھی۔[۳]

زمخشری کہتے ہیں اہلِ تورات کے ہاں صرف قصاص کا حکم تھا، عفو و درگزر یا دیت کی اجازت نہیں تھی۔ اہلِ انجیل کو عفو و درگزر کی ہدایت تھی۔ قصاص یا دیت کا قانون ان کے ہاں نہیں تھا۔ اس امت کو قصاص دیت اور عفو و درگزر تینوں میں سے کسی ایک پر عمل کی اجازت دی گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ تخفیف ہے جس کا آیت میں ذکر ہے۔[۴]

یہود کے ہاں قصاص کا قانون تو تھا لیکن اس پر وہ پوری طرح عمل نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مدینہ کے دو یہودی قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ کا حال بیان کرتے ہیں کہ ان میں بنو نضیر زیادہ شریف سمجھے جاتے تھے، لہٰذا اگر بنو قریظہ کا کوئی فرد بنو نضیر کے کسی فرد کو قتل کرتا تو اسے قتل کر دیا جاتا لیکن بنو نضیر کا آدمی بنو قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو سو وسق (۶۰ صاع یا ۴۸۰ رطل) کھجور فدیہ دے کر

---

[۱] ابن جریر طبری: جامع البیان فی تفسیر القرآن [۲] زمخشری: الکشاف عن حقائق التنزیل مطبوعہ کلکتہ ۱/۱۲۴

[۳] بخاری، کتاب الدیات، باب من قتل لہ قتیل الخ نسائی، قسامہ، تاویل قولہ عزوجل فمن عفی لہ من اخیہ شیئ [۴] زمخشری: الکشاف ۱/۱۲۳۔ ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی شریعت میں قصاص کا حکم نہیں تھا صرف دیت تھی شریعت محمدی میں ان دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ فتح الباری ۱۲/۱۶۹۔ بہرحال یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔

اسے چھڑا لیا جاتا۔ ہجرت کے بعد بنو نضیر کے ایک آدمی نے بنو قریظہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا تو انھوں نے قاتل کو بنو قریظہ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ لے آئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت نازل ہوئی کہ آپ ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں (المائدہ: ۴۲) انصاف کے ساتھ فیصلہ یہی تھا کہ جس نے قتل کیا ہے قصاص میں اسے قتل کر دیا جائے۔[1]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دیت بھی ان دو قبیلوں کی مختلف تھی۔ بنو نضیر کا کوئی فرد مارا جاتا تو اس کی پوری دیت لی جاتی اور بنو قریظہ کا آدمی قتل ہوتا تو اس کی دیت نصف ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عدم مساوات کو ختم کیا اور دیت کے فرق کو ناجائز ٹھہرایا۔[2]

قصاص کا تعلق قاتل، قتل کی نوعیت اور مقتول تینوں سے ہے۔ جب تک تینوں سے متعلق مطلوبہ شرائط پوری نہیں ہوں گی قصاص نہیں لیا جائے گا۔

قاتل کے اندر کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے

قصاص کے لئے قاتل کے اندر جو شرائط پائے جانے چاہییں ان میں سے حسب ذیل شرائط پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ یہ کہ:-

۱۔ وہ عاقل و بالغ ہو۔ بچے اور مجنون سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔
۲۔ اس نے اپنی آزاد مرضی سے قتل کا اقدام کیا ہو، کسی نے اسے مجبور نہ کیا ہو۔
۳۔ قتل کے اقدام میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہ ہو۔

بعض شرائط میں اختلاف ہے۔ مثلاً یہ کہ کسی کے حکم سے قتل کا ارتکاب ہو تو کیا اس میں صرف قاتل کا اعتبار کیا جائے گا یا حکم دینے والے کا یا دونوں کا؟

اسی طرح اگر کچھ لوگ مل جل کر کسی ایک کو قتل کر دیں تو اس ایک فرد کے بدلے میں قاتلوں کے پورے

---

[1] ابوداؤد: کتاب الدیات۔ باب النفس بالنفس۔ نسائی: قسامہ: تاویل قول اللہ عزوجل و ان حکمت فاحکم الآیۃ

[2] نسائی: حوالہ سابق۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود کے ہاں دیت کا بھی حکم تھا، مختری کا بیان اوپر گزر چکا ہے کہ انھیں دیت کی اجازت نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے دیت کا طریقہ دوسروں سے لیا ہو اور آپس کی قوت اور نسبیت کی بنا پر اس میں فرق بھی کر لیا ہو۔

گروپ سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟ اگر اس گروپ میں قتل بالعمد کے مجرم بھی ہوں اور قتل بالخطاء کے بھی یا مکلّف اور غیر مکلّف دونوں ہوں تو ان کا کیا حکم ہے۔ وغیرہ[1]

ان مسائل پر ہم آئندہ بحث کریں گے۔

قتل کی مختلف نوعیتیں

قتل کی مختلف نوعیتیں ہو سکتی ہیں۔ قرآن حدیث اور فقہ میں ان کا بیان ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ دیا جا رہا ہے[2]۔

۱۔ قتل عمد

فقہ حنفی میں قتل عمد کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ کسی تیز اور دھار دار چیز، جس سے اجزاء جسم منتشر ہو سکتے ہیں، جیسے تلوار، چاقو، خنجر، نیزہ وغیرہ سے مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ یہ حملہ جسم کے کسی بھی حصہ پر ہو سکتا ہے۔ ہتھیار کا دھار دار ہونا اس لیے شرط ہے کہ قصد و ارادہ ایک ذہنی عمل ہے۔ اس طرح کے ہتھیار کے استعمال ہی سے پتہ چل سکتا ہے کہ آدمی کا ارادہ قتل کا تھا۔

۲۔ لوہے اور اسی قبیل کی دھاتوں جیسے تانبہ، پیتل، سونا، چاندی وغیرہ کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ دھار دار ہی ہوں۔ ان دھاتوں کی بنی ہوئی غیر دھار دار چیزوں سے مار کر ہلاک کرنا بھی قتل عمد ہی ہوگا۔ جیسے لوہے اور تانبے کی سلاخ، سنداں وغیرہ۔ یہی حکم بندوق کی گولی کا بھی ہے۔

۳۔ نوک دار لکڑی، پتھر اور شیشہ وغیرہ سے ہلاک کرنا بھی قتل عمد ہوگا۔

۴۔ دہکتی ہوئی آگ یا گرم چولھے میں گرا دینا، چاہے چولھے میں اس وقت آگ نہ ہو اور وہ صرف گرم ہو، یا کھولتا ہوا پانی ڈال کر ہلاک کر دینا بھی قتل عمد ہے۔

۵۔ جسم کے کسی نازک مقام پر چھوٹے سے اوزار سے حملہ کر کے ختم کر دیا جائے تو یہ بھی قتل عمد ہوگا، جیسے کنپٹی میں سوئی کا چبھو دینا۔ (ایک رائے یہ ہے کہ یہ عمد نہیں ہے)

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ ابن رشد: بدایۃ المجتہد ۲/۴۳۱

[2] یہاں قتل سے قتلِ ناحق مراد ہے۔ اس سے قصاص، دیت، کفارہ، گناہ اور وراثت سے محرومی کے احکام متعلق ہیں۔ بعض حالات میں قتل کا قانوناً جواز بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں اس سے بحث نہیں ہے۔ درالمختار مع ردالمحتار ۵/۳۶۷

۶۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کا مسلک یہ ہے کہ کسی بڑے ڈنڈے سے مار کر ہلاک کر دیا جائے تو یہ بھی عمد ہی کہلائے گا۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بھی اس معاملے میں ان کے ہم خیال ہیں[1]

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد وغیرہ کے نزدیک قتل عمد کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ دھار دار اوزار ہی سے ہو۔ قتل عمد کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ کسی لاٹھی اور بڑے پتھر سے مار کر آدمی کو ختم کر دیا جائے یا چھوٹی سی لکڑی سے مسلسل مار کر ہلاک کر دیا جائے تو یہ بھی عمد ہوگا۔ کوئی بھی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے آدمی کی جان چلی جائے قتل عمد ہے[2]

قاضی شوکانی کہتے ہیں۔ اس معاملے میں جمہور کا مسلک راجح ہے۔ قصاص کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو قتلِ ناحق سے بچایا جائے۔ قتل دھار دار چیز سے بھی ہو سکتا ہے اور ایسی چیز سے بھی جو دھار دار نہیں ہے۔ جو چیز دھار والی نہیں ہے اس سے قتل میں قصاص واجب نہ ہو تو یہ انسانی جان کے ناحق ضائع جانے کا ایک سبب بن جائے گا اور قصاص کی حکمت فوت ہو جائے گی۔ کتاب و سنت کے جن دلائل سے قصاص کا وجوب ثابت ہوتا ہے ان میں دھار دار اور غیر دھار دار کے درمیان فرق نہیں ہے۔ اس لیے یہ فرق صحیح نہیں ہے[3]

قتل عمد کے احکام

قتل عمد سے حسب ذیل چیزیں لازم آتی ہیں۔

۱۔ گناہ۔ ناحق کسی کے قتل پر جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا، سخت وعید آئی ہے۔ فقہ حنفی میں ہے کہ ناحق کسی کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے انکار کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حالتِ اضطرار میں آدمی دل میں ایمان کو چھپا کر کلمہ کفر زبان سے نکال سکتا ہے، لیکن اس کی اسے اجازت نہیں ہے کہ کوئی شخص اسے کسی کی جان لینے پر مجبور کرے تو اس کی جان لے بیٹھے، اس لیے کہ اس کی اور دوسرے کی جان یکساں قدر و قیمت رکھتی ہے[4]

۲۔ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ قصاص صرف قتل عمد میں واجب ہوتا ہے۔ قتل کی باقی جتنی صورتیں

---

[1] ابن عابدین: رد المحتار علی الدر المختار ۵/ ۴۶۶-۴۶۷

[2] ابن قدامہ: المغنی ۷/ ۶۳۵-۶۳۶ [3] نیل الاوطار: ۷/ ۱۶۶

[4] ابن عابدین: رد المحتار علی الدر المختار ۵/ ۴۶۷

میں ان سے قصاص لازم نہیں آتا۔ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں۔

اجمع العلماء علی ان القود لا	علما کا اجماع ہے کہ قصاص صرف قتل عمد
یجب الا بالعمد ولا نعلم بینھم	میں واجب ہوتا ہے۔ ہمارے علم کی حد تک ان
فی وجوبہ بالقتل العمد اذا	کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قتل
اجتمعت شروطہ خلافاً[1]	عمد سے قصاص لازم آتا ہے، اگر اس کی شرائط
	جمع ہو جائیں۔

سوال یہ ہے کہ قتل عمد میں صرف قصاص ہی واجب ہوتا ہے یا مقتول کے ورثا چاہیں تو دیت لے کر بھی قاتل کی جاں بخشی کر سکتے ہیں؟

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے قتل عمد میں صرف قصاص واجب ہوتا ہے۔ اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى (البقرۃ: ۱۷۸) تم پر مقتولین میں قصاص فرض کر دیا گیا ہے۔

اس سے یہ تو نہیں معلوم ہوتا کہ کس قسم کے قتل میں قصاص ہے لیکن حدیث اسے متعین کر دیتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے العمد قود[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ قتل عمد میں قصاص لیا جائے گا۔ پھر یہ کہ قرآن مجید کی رو سے قتل خطا میں دیت واجب ہوتی ہے (النساء: ۹۲) یہ تو نہیں ہو سکتا کہ قتل عمد میں قصاص اور دیت دونوں ہی واجب ہو جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل عمد میں قصاص اور قتل خطا میں دیت واجب ہوتی ہے[3]

امام شافعی سے دو طرح کی رائیں منقول ہیں۔ ایک رائے کے مطابق وہ امام ابو حنیفہ کے ہم خیال ہیں۔ لیکن دوسری رائے جو زیادہ مشہور ہے یہ ہے کہ قتل عمد میں قصاص اور دیت دونوں میں سے ایک واجب ہوتی ہے۔ امام احمد اور ابو ثور وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے۔

اس کی دلیل سورۂ بقرہ کی وہی آیت ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ اس میں قصاص کے حکم کے بعد فرمایا۔

---

[1] المغنی ۶۴۷/۷ [2] قال الحافظ ابن حجر رواہ ابن ابی شیبۃ واسحق والدارقطنی والطبرانی من حدیث ابن عباس رفعہ العمد قود الا ان یعفو ولی المقتول ...... وروی الاربعۃ الا الترمذی من ھذا الوجہ من قتل عمدا فھو قود الحدیث۔ الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ: ۳۵۰

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ	پھر اس (قاتل) کو اس کا بھائی (مقتول کا ولی)
فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ	کچھ بھی معاف کردے تو معروف کی پیروی کرنی
بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ	چاہیے اور بھلے طریقہ سے (دیت) اس کو ادا
رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى	کردینا چاہیے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے
بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ	تخفیف ہے اس کے بعد (بھی) جو شخص زیادتی
(البقرہ: ۱۷۸)	کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قتل عمد میں معاف کرنا یہ ہے کہ آدمی قصاص نہ لے اور دیت قبول کرلے۔ اس کے بعد ہدایت یہ ہے کہ وہ دیت کا مطالبہ بہتر طریقہ سے کرے اور قاتل کو حکم ہے کہ وہ بھلے طریقہ سے اسے ادا کرے۔ آخر میں فرمایا کہ دیت قبول کرنے کے بعد کسی قسم کی تعدی اور دست درازی نہ کی جائے ورنہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔[1]

امام رازی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے 'كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ' سے یہ استدلال کیا ہے کہ قتل عمد میں صرف قصاص واجب ہوتا ہے۔ لیکن یہ استدلال انتہائی کمزور ہے۔ اس لیے کہ اس میں خطاب چاہے امام سے ہو یا مقتول کے ولی سے، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ قصاص اسی وقت لیا جائے گا جب کہ مقتول کا ولی متعین طور پر اس کا مطالبہ کرے۔ جہاں یہ صورت ہو بے شک قصاص متعین ہو جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ مقتول کے ولی کو اس بات کا اختیار رہے یا نہیں کہ وہ قصاص کو چھوڑ کر دیت کو پسند کرے؟ آیت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اسے اس کا حق نہیں ہے۔[2]

اس کی دوسری دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من قتل لہ قتیل فھو	جس شخص کا کوئی آدمی قتل ہو جائے اسے
بخیر النظرین اما ان یؤدی	دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ یا تو قاتل
واما ان یقتل[3]	اور اس کے اولیاء مقتول کی دیت ادا کریں یا قاتل
	کو قصاص میں قتل کیا جائے۔

---

[1] بخاری، کتاب الدیات، باب من قتل لہ قتیل الخ نسائی، کتاب القسامہ، تاویل قولہ عزوجل فمن عفی لہ الآیہ [2] رازی: تفسیر کبیر ۲/۱۰۶ [3] بخاری، کتاب الدیات، باب من قتل لہ قتیل، ابوداؤد، کتاب الدیات، باب ولی العمد یرضی بالدیہ، نسائی، کتاب القسامہ، ھل یوخذ من قاتل العمد الدیہ

ایک اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

عن ابی شریح الخزاعی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اصیب بقتل او خبل فانہ یختار احدی ثلاث اما ان یقتص واما ان یعفو واما ان یاخذ الدیۃ فان اراد الرابعۃ فخذوا علی یدیہ ومن اعتدی بعد ذلک فلہ عذاب الیم[1]

ابوشریح خزاعیؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قتل کیا جائے (اس کے ورثاء کو) یا اسے چوٹ پہونچے تو وہ تین باتوں میں سے ایک کو اختیار کر سکتا ہے۔ یا تو قصاص لے، یا معاف کردے یا دیت لے۔ اگر کسی چوتھی بات پر عمل کرنا چاہے تو اس کے ہاتھ پکڑ لو (اس کی اسے اجازت نہ دو) جو شخص اس کے بعد زیادتی کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتول کے ولی کو یہ اختیار ہے کہ وہ چاہے تو قاتل سے قصاص لے یا دیت قبول کرلے[2]

ان دونوں مسالک سے فرق یہ پڑتا ہے کہ اگر مقتول کے اولیاء میں سے کوئی قاتل کو معاف کردے تو فقہ حنفی کی روسے دیت یا خونبہا کا مسئلہ از خود ختم ہو جائے گا۔ لیکن فقہ شافعی کی روسے قصاص کو معاف کردے تو دیت واجب ہو جائے گی۔

فقہ حنفی کی روسے قتل عمد میں صرف قصاص واجب ہوتا ہے لیکن مال پر صلح ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے صلح کے لیے قاتل اور مقتول دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ صرف مقتول کا ولی ایک طرفہ طور پر قصاص کو مال میں تبدیل نہیں کر سکتا۔ اسے قصاص کی جگہ مال لینے کا حق اسی وقت حاصل ہوگا جبکہ قاتل بھی اس کے لئے تیار ہو جائے۔ دونوں کے اتفاق سے یہ صلح دیت سے کم پر بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ پر بھی۔ مال کی نوعیت اور اس کا وقت بھی یہ متعین کر سکتے ہیں۔ یعنی یہ کہ یہ دیت کی قسم سے ہو یا نہ ہو، فوری طور پر ادا کر دیا جائے یا تاخیر سے[3]

---

[1] ابوداؤد، کتاب الدیات، باب الامام یامر بالعفو فی الدم - ابن ماجہ، ابواب الدیات، من قتل لہ قتیل الخ

[2] اس مسئلہ پر تفصیلی بحث اور دونوں طرف کے دلائل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۱۲/ ۱۶۷-۱۶۹

[3] ردالمحتار علی الدر المختار ۵/ ۲۶۷

امام مالک، امام اوزاعی، امام ثوری وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے[۱] شرح الصغیر میں امام مالک کا مسلک اس طرح بیان ہوا ہے۔

مقتول کے ولی کو قاتل سے دیت لے کر معاف کرنے کا حق اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ قاتل بھی اس کے لئے تیار ہو جائے قاتل اس کے لیے تیار نہ ہو تو مقتول کا ولی قصاص لے سکتا ہے یا معاف کر سکتا ہے[۲]

امام شافعی، امام احمد، ابو ثور، داؤد ظاہری، اکثر فقہاء مدینہ جس میں امام مالک کے تلامذہ بھی ہیں۔ کی رائے یہ ہے کہ مقتول کا ولی قصاص کی جگہ دیت بھی لے سکتا ہے۔ دونوں کا اسے برابر حق ہے۔ وہ دیت لینا چاہے تو قاتل کے لئے اس کا قبول کرنا ضروری ہے۔ امام مالک کے تلامذہ میں اشہب نے امام مالک کی بھی یہی رائے نقل کی ہے۔

اس رائے کی دلیل یہ ہے کہ اوپر کی حدیثیں صاف بتا رہی ہیں کہ مقتول کے ولی کو جس طرح قصاص لینے کا حق ہے اسی طرح اسے اس بات کا بھی حق ہے کہ وہ چاہے تو قصاص کی جگہ دیت لے سکتا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر ایک آدمی بھوک سے مر رہا ہو اور اس کے پاس اتنی رقم بھی ہو کہ وہ کھانا خرید کر بھوک کو مٹا سکے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ کھانا خرید کر کھائے اور اپنی جان بچائے۔ اس مسئلہ کی نوعیت بھی یہی ہے کہ جب دیت سے قاتل کی جان بچ سکتی ہے تو لازماً اسے اپنی جان بچانی چاہیے[۳]

امام شافعی کی رائے یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ دیت کی صورت میں مقتول کا ولی دیت سے زیادہ قاتل سے نہیں لے سکتا[۴]

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ قتل عمد میں مقتول کے وارثوں کو معافی کا حق ہے۔ بلکہ یہ پسندیدہ ہے کہ وہ قاتل کو قصاص یا خون بہا کے بغیر معاف کر دیں۔ قرآن نے جہاں قصاص کا حکم دیا ہے وہیں یہ بھی فرمایا ہے۔

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ	اگر قاتل کو اس کے بھائی (مقتول کے ولی) کی طرف سے کچھ بھی معاف کر دیا جائے تو
(البقرہ: ۱۷۸)	(ان دونوں کو) دستور کے مطابق پیروی کرنی چاہیے

---

۱ بدایۃ المجتہد ۲/۳۴۷   ۲ احمد الدردیر: الشرح الصغیر علی اقرب المسالک ۴/۳۳۴

۳ ابن رشد: بدایۃ المجتہد ۲/۳۴۷۔ اس پر مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شوکانی: نیل الاوطار ۷/۱۴۹   ۴ ردالمحتار ۵/۳۶۷

اس میں مقتول کے وارث کو بھائی قرار دے کر اس کے جذبات اخوت کو ابھارا گیا ہے اور قاتل کے ساتھ عفو و درگذر کا معاملہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس میں شَیْءٌ کا لفظ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتول کا ولی کچھ بھی معاف کردے اور اس کے وارثوں میں سے کوئی ایک بھی قصاص نہ لینا چاہے تو قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس صورت میں دیت واجب ہوگی[1]

احادیث میں عفو و درگذر کی بڑی ترغیب دی گئی ہے۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حاکم ریاست کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ مقتول کے وارث عفو و درگذر کے لیے آمادہ ہوجائیں۔ قاتل کو معاف کرکے وسعت ظرف اور بڑے پن کا ثبوت فراہم کریں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔

ما رأیت رسول الله صلی الله	میں نے ہمیشہ یہی دیکھا کہ جب کبھی رسول اللہ
علیه وسلم رفع الیه شیئٌ	صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قصاص
فیه القصاص الا امر فیه	کا کوئی معاملہ آتا تو آپ مقتول کے ورثاء کو عفو و
بالعفو[2]	درگذر سے کام لینے کا حکم دیتے۔

وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھا کہ ایک قاتل کو اس کی گردن میں رسی ڈال کر لایا گیا۔ آپ نے مقتول کے والی کو طلب فرمایا اور کہا کیا تم اسے معاف کردو گے؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم دیت لو گے؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو۔ اس نے عرض کیا ہاں! آپ نے فرمایا اچھا تو لے جاؤ اسے قتل کردو۔ پھر چوتھی بار آپ نے فرمایا! اگر تم اسے معاف کردو گے تو وہ اپنا گناہ اور تمہارے مقتول عزیز کا گناہ سب لے کر یہاں سے جائے گا۔ یہ سن کر اس نے عرض کیا، اچھا تو اسے معاف کردیتا ہوں۔ حضرت وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ وہ اپنی رسی گھسیٹتے ہوئے جارہا تھا[3]

قرآن مجید نے قتل خطا میں دیت کے ساتھ کفارہ کا بھی حکم دیا ہے (النساء: ۹۲) لیکن قتل عمد

---

[1] زمخشری: الکشاف عن حقائق التنزیل ۱/۱۲۲ [2] ابوداؤد، کتاب الدیات، باب الامام یأمر بالعفو بالدم۔ نسائی، کتاب القسامہ، باب الامر بالعفو عن القصاص۔

[3] ابوداؤد، کتاب الدیات، باب الامام یأمر بالعفو بالدم، نسائی، کتاب القسامہ۔ یہ روایت تفصیلات میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ صحیح مسلم میں بھی موجود ہے۔ کتاب القسامہ، باب صحۃ الاقرار بالقتل

میں کفارہ کا ذکر نہیں ہے۔(النساء:۹۲) امام شافعی نے قتل عمد کو قتل خطا پر قیاس کیا ہے۔ان کے نزدیک اس میں بھی کفارہ ہے۔ امام احمد وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس میں کفارہ نہیں ہے[۱]

احناف کے نزدیک بھی اس میں کفارہ نہیں ہے۔ اس کے حسب ذیل دلائل دئے گئے ہیں۔

۱۔ قتل عمد کبیرہ محض ہے، جیسے زنا، چوری، سود وغیرہ۔ جس طرح ان جرائم کا کوئی کفارہ نہیں ہے اسی طرح قتل عمد کا بھی کوئی کفارہ نہیں ہے۔ کفارہ میں سزا کے تصور کے ساتھ عبادت کا تصور بھی ہے۔ جیسے کسی غلطی پر روزہ رکھنا یا غلام آزاد کرنا۔ یہ سزا بھی ہے اور عبادت بھی۔ لہٰذا جس عمل کا کفارہ ہو اس میں بھی یہ دونوں پہلو ہونے چاہئیں تاکہ غلطی کی سزا ہو اور عبادت کا تعلق اس کے جواز کی صورت سے ہو۔ قتل خطا کی نوعیت یہی ہے۔ ایک پہلو سے اس میں جواز کا پہلو نکلتا ہے اس لئے کہ قصد و ارادہ کے ساتھ اس کا ارتکاب نہیں ہوتا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ جرم ہے اس لئے کہ اس سے ایک جان کا ناحق ضیاع ہے۔ قتل عمد کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ قرآن مجید نے قتل عمد اور قتل خطا دونوں کے الگ الگ احکام بیان کئے ہیں۔ اس میں کسی قسم کا اضافہ صحیح نہیں ہے۔ کفارات قیاس سے ثابت نہیں ہوتے اس کے لئے نص ہونی چاہئے[۲]

قتل خطا

یعنی آدمی کا ارادہ قتل کا نہ ہو لیکن اس کی مار سے کسی کی جان چلی جائے۔ فقہ حنفی میں ہے کہ غلطی ارادہ اور فعل دونوں میں ہوسکتی ہے۔ جیسے کوئی شخص شکار سمجھ کر کسی انسان پر گولی چلادے یا شکار پر گولی چلائے اور وہ انسان کو لگ جائے[۳]

امام شافعی فرماتے ہیں کہ قتل عمد یہ ہے کہ آدمی کسی کی جان لینے کے ارادے سے اقدام کرے اور قتلِ خطا یہ ہے کہ اقدام جان لینے کے ارادہ سے نہ ہو لیکن غلطی سے جان چلی جائے[۴]

قتل خطا کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ	یہ مسلمان کا کام نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے،
مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا	ہاں غلطی سے ایسا ہوسکتا ہے۔ جو شخص غلطی سے

---

[۱] ابن کثیر: تفسیر ۱/۵۳۸ [۲] جصاص: احکام القرآن ۲/۲۹۹۔ ردالمحتار علی الدرالمختار ۵/۴۶۷-۴۶۸

[۳] ہدایہ: ۴/۵۵۶-۵۵۷ [۴] بدایۃ المجتہد ۲/۴۲۲

خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ	کسی مسلمان کو قتل کردے وہ ایک مسلمان
وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا	غلام کو آزاد کرے اور اس کے گھروالوں کو
أَن يَصَّدَّقُوا ...... فَمَن	دیت پہونچائے...... جس شخص کو غلام میسر
لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ	نہ ہو وہ دو ماہ مسلسل روزے رکھے۔
مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ وَ	یہ اللہ سے توبہ کرنے کا طریقہ ہے۔ اور
كَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ○	اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

(النساء:۹۲)

قتل خطا کے احکام

قتل خطا سے حسب ذیل چیزیں لازم آتی ہیں۔

۱۔ کفارہ۔ اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو ماہ لگاتار بغیر ناغہ کے مسلسل روزے رکھے جائیں۔

۲۔ دیت۔ فقہاء کے نزدیک قتل خطاء کی دیت مجرم کے عاقلہ پر واجب ہوگی۔[۱]

۳۔ گناہ۔ فقہ حنفی کے مطابق قتل خطا سے گناہ لازم آتا ہے لیکن یہ گناہ قتل عمد سے کم ہوتا ہے۔ اس میں قتل کے ارادہ کا گناہ تو نہیں ہوگا البتہ نفس قتل کا گناہ ہوگا۔ کفارہ اسی کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے مقتول کی میراث سے بھی وہ محروم ہوگا۔[۲]

قرآن مجید میں قتل عمد اور قتل خطا ہی کا ذکر ہے اس لئے امام مالک اور بعض دوسرے فقہاء ان ہی دو قسموں کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قتل کی جتنی صورتیں ہوسکتی ہیں وہ ان دو قسموں کے تحت آجاتی ہیں۔ ان کے نزدیک قتل خطا یہ ہے کہ آدمی کا کوئی عمل (جیسے کنواں کھودنا) کسی کی جان جانے کا سبب بن جائے، یا کوئی غیر مکلف قتل کر بیٹھے، یا کسی نے قتل کے ارادہ سے تو اقدام نہیں کیا، لیکن قتل ہوگیا یا اس نے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا، جس سے بالعموم جان نہیں جاتی لیکن جان چلی گئی یہ سب قتل خطا کی صورتیں ہیں۔ اس کے برعکس

---

[۱] آدمی کا وہ پورا حلقہ جو اس کا معاون اور مددگار ہو "عاقلہ" ہے۔ فقہ حنفی کی رو سے آدمی جس شہر میں رہتا ہے اس کے سب لوگ اس کے "عاقلہ" ہوں گے بشرطیکہ کسی ایک رجسٹر میں ان کا رکارڈ ہو اور وہ عملاً ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ آدمی کے قبیلہ کے لوگ جو اس کے عصبہ ہوں اس کے عاقلہ کہلائیں گے۔ ردالمحتار علی الدر المختار ۵/۵۶۲

[۲] ہدایہ مع الکفایہ ۵/۱۲۲۷–۱۲۲۸

صورتیں قتل عمد سمجھی جائیں گی۔[1]

فقہ مالکی میں قتل عمد اور قتل خطا کی بہت سی صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔ قتلِ عمد یہ ہے کہ آدمی ناجائز طور پر کسی کی جان لے لے، چاہے وہ چھڑی سے ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ اس کی جان لینا چاہ رہا تھا یا نہیں یا یہ کہ اس نے زید کو قتل کرنا چاہا یا عمرو کو۔ قتل عمد یہ بھی ہے کہ کسی کو پتھر وغیرہ سے ہلاک کر دیا جائے، یا گلا گھونٹ کر یا کھانا پانی بند کر کے ختم کر دیا جائے۔ یہ سارے اقدامات قتل عمد سمجھے جائیں گے اگر وہ قتل کے ارادے سے ہوں۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی کو محض تکلیف یا سزا دینا چاہ رہا تھا اور اس کی جان چلی گئی تو یہ قتل خطا ہے۔ اس میں قصاص نہیں دیت واجب ہوگی۔

اگر کسی کو زہر دے کر ہلاک کر دیا جائے تو یہ قتل عمد ہوگا اور مجرم پر قصاص واجب ہوگا۔ کسی خاص شخص کو ہلاک کرنے کے لئے آدمی کوئی ذریعہ اختیار کرے جیسے اس کے راستے میں کنواں کھود دے اور وہ اس میں گر کر ہلاک ہو جائے تو یہ عمد ہوگا اور اس ذریعہ کے اختیار کرنے والے پر قصاص لازم آئے گا۔ لیکن جو آدمی مقصود تھا وہ نہ مرے بلکہ دوسرا اس سے مر جائے یا کسی خاص آدمی کا قتل مقصود نہ ہو بلکہ مطلق ضرر رسانی پیش نظر ہو تو یہ قتل خطا ہوگا اور دیت لازم آئے گی۔ بشرطیکہ مرنے والا 'حر معصوم' ہو[2] ورنہ اس کی قیمت دینی ہوگی۔ جو ذریعہ اختیار کیا گیا اس سے کسی کو ضرر پہنچانا مقصود نہیں تھا تو مرنے والے کا خون رائیگاں جائے گا اور اس ذریعہ کے اختیار کرنے والے کو کوئی سزا نہ ہوگی۔ جیسے کوئی شخص کنواں اپنی زمین میں کھود دے یا کسی خالی زمین میں دوسروں کے فائدہ کی خاطر کنواں کھدوائے یا جانور اپنے گھر کے سامنے باندھے اس سے کوئی ہلاک ہو جائے تو اس میں قصاص نہیں دیت واجب ہوگی۔

اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص کو جو تیرنا نہیں جانتا، مذاق ہی سے سہی نہر یا کنویں میں گرا دے تو یہ قتلِ عمد ہوگا۔ لیکن جو شخص تیراکی سے واقف ہو اسے ہلاک کرنے کے ارادے سے گرائے تو یہ عمد ہوگا اگر مذاق سے گرائے تو خطا ہوگا اور دیت واجب ہوگی۔[3]

شبہِ عمد

امام ابو حنیفہؒ، امام شافعی اور امام احمد وغیرہ قتل عمد اور قتل خطا کے علاوہ ایک اور قسم شبہِ عمد کے بھی

---

[1] نیل الاوطار ۷/۱۶۸ [2] یعنی آزاد ہو اور اسے 'عصمت' حاصل ہو۔ عصمت دو باتوں سے حاصل ہوتی ہے ایک ایمان سے جو ایمان لائے آئے اس کا خون بہانا حرام ہے۔ دوسرے امان سے۔ اس غیر مسلم کا بھی خون بہانا ناجائز ہے جسے اسلامی ریاست نے امان دے رکھی ہے۔

[3] تفصیل کے لیے دیکھی جائے احمد الدردیر: الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی ۴/۳۴۰، ۳۴۱

قائل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ نقل فرمایا ہے۔ اس کا ایک فقرہ یہ ہے:۔

الا إنّ دیۃ الخطإ شبہ العمد	قتل خطا جو عمد سے مشابہ ہو جس میں کہ
ما کان بالسوط والعصا مأۃ من	کوڑے اور لاٹھی سے موت ہو جائے اس
الابل منھا اربعون فی بطونھا	کی دیت سو اونٹ ہے۔ جن میں چالیس
اولادھا[1]	حاملہ ہوں گی۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عقل شبہ العمد مغلظ مثل	شبہ عمد کی دیت تو قتل عمد کی دیت کی طرح
عقل العمد ولا یقتل صاحبہ[2]	مغلظ ہوگی لیکن اس کا ارتکاب کرنے والے
	کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

ان روایات کی سندوں پر کچھ تنقید بھی کی گئی ہے۔ لیکن امام شوکانی کہتے ہیں۔

ولا یخفی انّ احادیث الباب	یہ بات واضح ہے کہ اس باب کی احادیث
صالحۃ للاحتجاج بھا علی	احتجاج کے قابل ہیں ان سے (قتل عمد
اثبات قسم ثالث وھو شبہ	اور قتل خطا کے علاوہ) ایک تیسری قسم شبہ
العمد وایجاب دیۃ مغلظۃ	عمد ثابت کی جائے اور اس کا ارتکاب کرنے
علی فاعلہ[3]	والے پر دیت مغلظہ لازم کی جائے۔

اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرات عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، زید بن ثابت ابو موسیٰ اشعری، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اس کے قائل رہے ہیں اور صحابہ میں کوئی ان کا مخالف نہیں تھا۔[4]

شبہ عمد کو شبہ خطا بھی کہا جاتا ہے۔ یہ عمد اس پہلو سے ہے کہ آدمی قصد و ارادہ کے ساتھ مارتا ہے۔ خطا اس پہلو سے ہے کہ ارادہ قتل کا نہیں تھا اس لئے کہ اس نے جان لینے والا ہتھیار استعمال نہیں کیا۔[5]

---

[1] ابوداؤد، کتاب الدیات، باب الدیۃ کم ھی۔ نسائی، کتاب القسامہ، کم دیۃ شبہ العمد

۲۔ ابوداؤد، کتاب الدیات، باب دیات الاعضاء۔ اس سلسلے کی روایات کے لئے ملاحظہ ہو بیہقی، السنن الکبریٰ ۸/۴۴-۴۵ [3] نیل الاوطار ۷/۱۶۸ [4] ابن رشد: بدایۃ المجتہد ۲/۳۲۲ [5] در المختار مع رد المحتار ۵/۳۶۸

امام ابوحنیفہ کے نزدیک شبہ عمد یہ ہے کہ کسی ایسی چیز سے مار کر ہلاک کیا جائے جس سے جسم کے اجزا منتشر نہ ہوتے ہوں۔ چاہے وہ چیز بڑا سا پتھر یا لکڑی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک کسی ایسی چیز سے مار کر ہلاک کرنا جس سے بالعموم جان چلی جاتی ہے قتل عمد ہے۔ شبہ عمد یہ ہے کہ کسی ایسی چیز سے مار کر ہلاک کیا جائے جس سے بالعموم جان نہیں جاتی۔ اس تشریح کے پیش نظر اگر کوئی شخص کسی کو کنویں میں یا چھت پر سے یا پہاڑ پر سے جہاں سے گرنے کے بعد آدمی کے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو گرادے اور وہ ختم ہو جائے تو یہ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک قتل عمد ہوگا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک شبہ عمد۔ فقہ حنفی میں فتویٰ امام صاحب ہی کی رائے کے مطابق دیا گیا ہے[۱۱]

فقہ حنبلی میں شبہ عمد کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

آدمی کسی کو، زیادتی کے طور پر یا تادیب کے لیے، کسی ایسی چیز سے جس سے بالعموم جان نہیں جاتی، اتنا زیادہ مارے کہ اس کی جان چلی جائے۔ جیسے کوڑا، چھڑی، چھوٹا سا پتھر، گھونسا، وغیرہ، اسے شبہ عمد اس لئے کہا جاتا ہے کہ مارنے کی حد تک تو اس میں قصد و ارادہ ہے البتہ قتل کا ارادہ نہیں ہے (قتل اتفاقی ہے) اسی وجہ سے اسے عمد خطا بھی کہا جاتا ہے[۱۲]

امام شافعی کے ہاں بھی یہی تعریف ملتی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

شبہ عمد یہ ہے کہ آدمی عمداً مارے اور غلطی سے قتل ہو جائے یعنی مارنے سے قتل کرنا اس کا مقصد نہ ہو بلکہ عملاً اس سے قتل واقع ہو جائے[۱۳]

قتل کی کون سی شکل عمد نہیں ہے اور کون سی شبہ عمد ہے اس میں فقہاء نے جو فرق کیا ہے حقیقت میں اس کا تعلق یا تو ان آلات سے ہے جن سے قتل ہوا یا ان حالات سے جن میں کسی نے مارا (اور اس کے نتیجہ میں قتل ہوا)[۱۴]

شبہ عمد کے احکام: شبہ عمد سے حسب ذیل چیزیں لازم آتی ہیں:۔

۱۔ گناہ۔ جب کسی نے عمداً کسی کو مارا ہے تو اس کا گناہ اسے ضرور ہوگا۔ قتل غلطی سے ہو گیا تو اس پر قتل خطا کا کفارہ واجب ہوگا۔

۲۔ کفارہ۔ شبہ عمد کا کفارہ وہی ہے جو قتل خطا کا کفارہ ہے۔

۳۔ دیت مغلظہ۔ دیت مغلظہ سو اونٹ ہے۔ اگر اونٹوں کی جگہ کسی اور چیز کا فیصلہ ہو تو اسے مغلظ

---

۱۱ رد المحتار علی الدر المختار ۵/ ۳۶۱ ۱۲ ابن قدامہ: المغنی ۷/ ۶۵

۱۳ ابن رشد: بدایۃ المجتہد ۲/ ۴۳۳ ۱۴ ابن رشد: بدایۃ المجتہد ۲/ ۴۳۲

نہیں کہا جائے گا۔ فقہ حنفی میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ شبہ عمد میں اونٹوں کے علاوہ اور کوئی چیز دیت نہیں بن سکتی اسی لیے اسے مغلظہ کہا گیا ہے[1]

شبہ عمد میں قصاص تو نہیں لیا جائے گا البتہ کسی سے ایک سے زائد بار یہ جرم سرزد ہو تو امام کو اختیار ہے کہ وہ قصاص لے[2]

فقہ حنفی میں قتل کی دو اور قسمیں بھی قرار دی گئی ہیں۔

۴۔ وہ قتل جو قتل خطا کے حکم میں ہو

اس کی مثال یہ دی گئی ہے کہ کوئی شخص سوتے میں کسی پر لڑھک جائے اور اس کی جان چلی جائے تو اس کا حکم قتلِ خطا کا ہوگا[3]۔ یہ قتل خطا سے کم تر درجہ کا جرم ہے۔ اس لیے کہ خطا کے اندر قصد و ارادہ بہرحال ہوتا ہے اور سونے والا کا کوئی قصد و ارادہ نہیں ہوتا۔

اگر کوئی شخص کسی پر چھت سے گر پڑے یا اس کے ہاتھ سے اس پر پتھر یا لکڑی گر جائے اور وہ مر جائے یا کسی کی سواری سے کوئی ہلاک ہو جائے تو ان تمام صورتوں کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر بیان ہوا ہے۔ اس میں وہ تمام چیزیں لازم آتی ہیں جو قتلِ خطا میں لازم آتی ہیں یعنی:۔

۱۔ کفارہ۔ اس لئے کہ اس نے احتیاط نہیں برتی۔ قتلِ خطا میں بھی عدم احتیاط ہی کی وجہ سے کفارہ لازم آتا ہے قاتل مقتول کا وارث ہو تو جس طرح قتل خطا میں وراثت سے محروم ہو جاتا ہے اس صورت میں بھی محروم ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اس میں بہرحال اس کا امکان ہے کہ سونے کے بہانے اس نے مقتول پر لڑھک کر اسے ہلاک کیا ہو۔ تاکہ وراثت سے فائدہ اٹھائے۔

۲۔ اس کی دیت بھی عاقلہ پر ہوگی۔

۳۔ گناہ۔ اس سے گناہ بھی ہوگا۔ اس لئے کہ بہرحال اس کی وجہ سے قتل ہوا ہے۔ اگر یہ گناہ نہ ہوتا تو کفارہ لازم نہ آتا[4]

---

[1] دیت کے سلسلہ میں فقہ حنفی میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ عمد میں دیت مجرم پر واجب ہوگی۔ چاہے قتل کی دیت ہو یا جراحات کی۔ خطا میں قتل اور جراحات دونوں کی دیت عاقلہ پر واجب ہوگی۔ شبہ عمد میں قتل ہو تو عاقلہ پر اور جراحات کی دیت مجرم پر ہوگی چاہے وہ قتل کی دیت کے برابر ہی کیوں نہ ہو جائے۔ ردالمحتار علی الدر المختار ۵/۳۶۸

[2] درالمختار مع ردالمحتار ۵/۳۶۸ [3] ہدایہ ۴/۵۵۸ [4] ردالمحتار ۵/۳۶۹

۵۔ قتل بہ سبب

یعنی آدمی کوئی ایسا کام کرے جو دوسرے کی ہلاکت کا سبب بن جائے۔ جیسے کسی دوسرے کی زمین میں کنواں کھود دے یا پتھر رکھ دے اور اس کی وجہ سے کوئی شخص ہلاک ہوجائے۔ اس میں عاقلہ پر دیت تو واجب ہوگی لیکن کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ قاتل مقتول کا وارث ہو رہا ہو تو وراثت سے محروم بھی نہ ہوگا۔ اس میں قتل کا گناہ تو نہیں ہوگا البتہ دوسرے کی ملک میں کنواں کھودنے اور پتھر رکھنے کا گناہ ضرور ہوگا۔[1]

قتل سبب کی اور صورتیں بھی ہوسکتی ہیں۔ جیسے آدمی راستہ میں لکڑی رکھ دے یا تربوز وغیرہ کا چھلکا ڈال دے یا راستہ میں پانی ڈال کر کیچڑ کردے اور وہ دوسرے کی ہلاکت کا سبب بن جائے۔

امام شافعی نے قتل بسبب کو قتل خطا قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اس کے احکام وہی ہیں جو قتلِ خطا کے ہیں۔[2] (باقی)

---

[1] ہدایہ مع الکفایہ ۵/۲۴۸ [2] ہدایہ ۴/۵۵۸ ردالمحتار ۵/۳۶۹

ادارہ تحقیق کمپلکس فنڈ
میں دل کھول کر حصہ لیجئے

ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ کو بہت ہی مختصر سے عرصہ میں جو شہرت اور مقبولیت ملی ہے اور اسے جو وسعت حاصل ہوئی ہے اس کے لیے ہم صمیم قلب سے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر بجالاتے ہیں۔ اس عرصے میں ادارہ کا سہ ماہی ترجمان "تحقیقات اسلامی" منظر عام پر آیا جو آج بحمد اللہ ہندوستان میں اسلامیات کے معیاری مجلہ کی حیثیت سے اپنی جگہ بنا چکا ہے۔ طبع زاد تحقیقی تصانیف اور تراجم کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس وقت بھی متعدد ضخیم کتابیں زیر طباعت ہیں۔ اس کے علاوہ ادارہ میں تصنیفی تربیت کا شعبہ باقاعدگی سے کام کر رہا ہے جو قدیم و جدید درسگاہوں کے فارغین کی تصنیفی تربیت کا نظم کرتا ہے۔ ادارہ کے اسٹاف اور اس کے انتظامی شعبے نے وسعت اختیار کرلی ہے۔ ادارہ کی لائبریری میں کتابوں کا اضافہ بھی روز افزوں ہے۔ اس وجہ سے ادارہ کی موجودہ عمارت جس میں پہلے بھی کسی کسی طرح کام چلایا جا رہا تھا اب اس کے لیے بالکل ہی ناکافی ہوکر رہ گئی ہے۔ ادارہ کے پیش نظر منصوبے کو آگے بڑھانے کی موجودہ عمارت میں کوئی صورت نہیں ہے۔

ادارہ کے سامنے شروع ہی سے ایک بڑے کمپلکس کا منصوبہ رہا ہے جس میں اس کے تمام دفاتر، ریسرچ اسکالرس کے لئے ہاسٹل، اسٹاف کے لیے فیملی کوارٹرس، ایک وسیع لائبریری، پریس اور ایک خوبصورت مسجد کا نقشہ شامل ہے۔ اب اس مقصد کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ایریا میں ایک بڑا پلاٹ خریدنے کا فیصلہ کیا گیا ہے جس کی قیمت اندازاً ڈھائی تین لاکھ روپے ہوگی۔ خدا کا شکر ہے امت کو ادارہ کے علمی و فکری کام کی اہمیت کا پورا پورا احساس ہے اس لیے ہمیں توقع ہے کہ اس کے ہر طبقے کی طرف سے ادارے کے اس منصوبے کو خوش آمدید کہا جائے گا اور اس کے ہمدرد اور بہی خواہ ادارہ تحقیق کمپلکس فنڈ میں دل کھول کر تعاون کریں گے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ براہ کرم چیک اور ڈرافٹ صرف ادارہ کے نام IDARA-E-TAHQEEQ-O-TASNEEF-E-ISLAMI—ALIGARH ارسال کریں۔ والسلام۔ مخلص جلال الدین عمری (سکریٹری ادارہ)